۱۹۲۵
۲۱/۲/۳۳ء

معزز و محترم مفتی صاحب، السلام علیکم

میرا ایک دوست ہمیں باجماعت نماز پڑھنے سے روکتا ہے اور کہتا ہے کہ اجرتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز ہے۔ میرے دوست نے اس ضمن میں مذکورہ ذیل ای میل بھی بھیجی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مسجد میں امام کو تنخواہ دی جاتی ہے۔ برائے کرم ہماری رہنمائی فرمائیں اس صورت حال میں ہم کیا کریں۔

التجا ہے آپ جواب جلد از جلد عطا کریں کیونکہ بیسیوں لوگوں کا اس ای میل سے متاثر ہونے کا خدشہ ہے۔



آپکا بہت بہت شکریہ۔

سید علی اصغر قادری

دینی اُمور پر اجرت لینا حرام ہے

(یعنی امامت، خطابت، تبلیغ، تعلیمِ قرآن وحدیث اور اذان وغیرہ پر)

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿﴾ (البقرۃ: ۴۱-۴۳)

''اور میری آیتوں کو قلیل معاوضہ پر نہ بیچو اور مجھی سے ڈرو، اور حق کو باطل کیساتھ نہ ملاؤ اور حق کو نہ چھپاؤ جبکہ تم جانتے بھی ہو، اور صلوٰۃ قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنیوالوں کیساتھ رکوع کرو''

(دین فروشوں یعنی مولویوں کے سامنے جب یہ آیت رکھی جاتی ہے تو کھسیانے ہو کر انتہائی بے شرمی سے کہتے ہیں کہ اس آیت میں تو ''قلیلاً'' یعنی تھوڑا تھوڑا معاوضہ لینے سے منع کیا گیا ہے، اور ہم تو زیادہ زیادہ لیتے ہیں، لہٰذا یہ آیت ہم پر حجت نہیں بنتی! یہاں ''علما'' کا کتاب اللہ کے ساتھ انتہائی بھونڈا مذاق ہے، ان دین فروشوں کو معلوم ہو کہ اگر وہ دین فروشی کے معاوضے میں پوری دنیا بھی سمیٹ لیں تو یہ بھی ''قلیلاً'' ہی ہوگا، ملاحظہ ہو: قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ''کہو دنیا کا مال قلیل ہے'' النساء: ۷۷)

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَا اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿﴾ (آل عمران: ۱۹۹)

''اور اہل کتاب میں ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور جو تم پر نازل ہوا اور جو انکی طرف نازل ہوا، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ کے آگے عاجزی کرتے ہیں، اور اللہ کی آیتوں پر حقیر معاوضہ نہیں لیتے۔ یہی لوگ ہیں جنکا صلہ انکے رب کے پاس ہے، اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے''

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿﴾ (المائدۃ: ۴۴)

''تو تم لوگوں سے مت ڈرنا اور مجھی سے ڈرتے رہنا، اور میری آیتوں کو حقیر معاوضے کے بدلے نہ بیچنا۔ اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں''

(نبی ﷺ نے فرمایا ''قرآن پڑھو مگر اس کو روٹی کمانے کا ذریعہ نہ بناؤ'' مسند احمد۔ نیز فرمایا ''جس نے قرآن پڑھ کر اسے لوگوں سے روٹی حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا وہ قیامت کے دن اس حال میں آئے گا کہ اس کے چہرے پر صرف ہڈی ہوگی، گوشت نہ ہوگا'' بیہقی۔ نیز فرمایا ''جس نے وہ علم کہ جس سے اللہ کی خوشنودی حاصل کی جاتی ہے اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس کے ذریعے دنیا کمائے گا تو وہ شخص قیامت کے دن جنت کی خوشبو تک نہ پا سکے گا۔) قرآن وحدیث کے ان احکامات کی بنا پر امام ابوحنیفہؒ نے فتویٰ دیا: اذان، امامت، خطابت، تعلیمِ قرآن وحدیث اور فقہ پر اجرت لینا ناجائز اور حرام ہے، الہدیٰ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب حامداً ومصلیاً

امامت پر اجرت کے ناجائز ہونے پر سوال کے ساتھ منسلکہ جن آیات اور احادیث مبارکہ سے استدلال کیا گیا ہے ان کے بارے میں کچھ گفتگو کرنے سے پہلے "اجرت علی الطاعات" یعنی دینی امور پر اجرت لینے کا اصل مسئلہ تحریر کیا جاتا ہے۔

واضح رہے کہ یہ مسئلہ متقدمین کے دور میں اختلافی رہا ہے، اور اس اختلاف کی وجہ روایات کا اختلاف ہے۔

جن حضرات نے اجرت علی الطاعات سے منع کیا ہے انہوں نے ان روایات سے استدلال کیا ہے جن میں ممانعت آئی ہے، مثلاً:

سنن ابن ماجه (٢ / ٧٣٠)

عن أبي بن كعب قال علمت رجلا القرآن فأهدى إلي قوسا فذكرت ذلك لرسول الله صلى الله عليه و سلم فقال إن أخذتها أخذت قوسا من نار فرددتها

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو قرآن سکھایا اس نے مجھے ایک کمان بطور تحفہ دی میں نے اس کا ذکر آنحضرت ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اگر تو نے یہ کمان لی تو آگ کی ایک کمان لی یہ سن کر میں نے اس کو پھیر دیا

مسند أحمد - (٢٤ / ٢٨٨)

قال عبد الرحمن بن شبل سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول اقرءوا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به ولا تستكثروا به

حضرت عبدالرحمن بن شبلؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ قرآن پڑھا کرو، اس میں حد سے زیادہ غلو نہ کرو، اس سے جفاء نہ کرو، اسے کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور اس سے اپنے مال و دولت کی کثرت حاصل نہ کرو

اور جن حضرات نے اجازت دی ہے انہوں نے درج ذیل ایسی روایات سے استدلال کیا ہے جو جواز پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً:

صحيح البخاري - (١٨ / ١٥)

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتاب الله

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سب سے زیادہ اجرت لینے کے لائق تو اللہ کی کتاب ہے۔



(جاری ہے۔۔۔)

مشكاة المصابيح – (٢ / ٢٢٦)

عن سهل بن سعد : أن رسول الله صلى الله عليه وسلم جاءته امرأة فقالت : يا رسول الله إني وهبت نفسي لك۔۔فقام رجل فقال : يا رسول الله زوجنيها إن لم تكن لك فيها حاجة ۔۔ فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم : " هل معك من القرآن شيء " قال : نعم سورة كذا وسورة كذا فقال : " زوجتكها بما معك من القرآن۔۔الحديث

حضرت سہل بن سعدؓ سے مروی ہے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور کہنے لگی کہ "یارسول اللہ ﷺ میں اپنے آپ کو آپ ﷺ کے لئے ہبہ کردیا۔۔ایک صحابیؓ کھڑے ہوئے اور عرض کیاکہ "یارسول اللہ ﷺ اگرآپ ﷺ اس عورت کی ضرورت محسوس نہ کرتے ہوں تو اس سے میرا نکاح کردیجئے۔۔۔آپ ﷺ نے ان سے پوچھاکہ "کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے ؟انہوں نے عرض کیاہاں فلاں فلاں سورتیں یادہیں آپ ﷺ نے فرمایاقرآن میں سے جوکچھ تمہیں یادہے اس کے سبب میں نے تمہارانکاح اس عورت سے کردیا۔۔الحدیث

مذکورہ حدیث شریف سے اجرت علی الطاعات کے جواز پراس طورپراستدلال کیاگیاہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اس آدمی کاقرآن مجید کی تعلیم کواس کی بیوی کامہر قرار دیاتویہ اس بات میں صریح ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم پراجرت لیناجائزہے، چنانچہ تفسیر اضواءالبیان میں ہے:

فقالوا: هذا الرجل أباح له النّبي صلى الله عليه وسلم أن يجعل تعليمه بعض القرآن لهذه المرأة عوضاً عن صداقها، وهو صريح في أن العوض على تعليم القرآن جائز (أضواء البيان في إيضاح القرآن بالقرآن ٢ / ١٨٢)

جائزقرار دینے والوں نے یہ کہاکہ نبی کریم ﷺ نے اس آدمی کواس بات کی اجازت دی کہ وہ اس عورت کے مہر کے عوض اس کوقرآن کی کچھ تعلیم دے۔اور یہ حدیث اس بارے میں صریح ہے کہ قرآن مجید کی تعلیم پراجرت لیناجائزہے۔

روایات کے اختلاف کی وجہ سے فقہاء کرامؒ کے درمیان بھی اجرت علی الطاعات کے جائزاور ناجائزہونے کے بارے میں اختلاف ہے، چنانچہ امام ابوحنیفہؒ اورامام احمد بن حنبلؒ اجرت علی الطاعات کے ناجائزہونے کے قائل ہیں، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب "الدرالمختار" میں ہے:



(جاری ہے ۔۔۔)

(لا تصح الإجارة ـــ(و) لأجل الطاعات مثل (الأذان والحج والإمامة وتعليم القرآن والفقه) ويفتى اليوم بصحتها لتعليم القرآن والفقه والإمامة والأذان الدر المختار(٦ / ٥٥)

اور طاعات یعنی نیکی کے کام مثلا اذان، حج، امامت، قرآن کریم اور فقہ کی تعلیم پر اجارہ صحیح نہیں ہے۔ البتہ موجودہ زمانے میں قرآن کریم، فقہ کی تعلیم، امامت اور اذان پر اجرت کے جواز کا فتوی دیا جاتا ہے۔

اور فقہ حنبلی کی کتاب "الانصاف" میں ہے:

ولا يصح الإجارة على عمل يختص فاعله أن يكون من أهل القربة".

يعني: بكونه مسلما ولا يقع إلا قربه لفاعله كالحج أي النيابة فيه ـــ والأذان ونحوهما كالإقامة وإمامة صلاة وتعليم القرآن(الإنصاف ٦ / ٣٥)

کسی ایسے کام پر اجارہ صحیح نہیں ہے جس کے کرنے والے کے لئے اہلِ قربت یعنی مسلمان ہونا ضروری ہو اور وہ کام کرنے والے کے لئے باعثِ ثواب ہو، جیسا کہ حج، یعنی دوسرے کی طرف سے اجرت لے کر حج کرنا۔۔ اسی طرح اذان، نماز کی اقامت وامامت اور قرآن مجید کی تعلیم وغیرہ۔

اور امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اجرت علی الطاعات کے جواز کے قائل ہیں، چنانچہ فقہ شافعی کی کتاب "اسنی المطالب" میں ہے:

(وتعليم القرآن جاز) الاستئجار لهـــ (ويصح) الاستئجار (لشعار) غير فرض (كالأذان) (أسنى المطالب شرح روض الطالب ١٢ / ١٢٥)

قرآن مجید کی تعلیم کے لئے کسی کو اجرت پر رکھنا جائز ہے۔۔۔ نیز وہ شعارِ دین جو کہ فرض نہیں ہیں جیسا کہ اذان وغیرہ، ان کے لئے بھی اجارہ جائز ہے۔

اور فقہ مالکی کی کتاب "تهذیب المدوّنہ" میں ہے:

وتجوز الإجارة على الأذان، وعلى الأذان والصلاة جميعاً،ـــ ولا بأس بما يأخذ المعلم، اشترطه أو لم يشترطه، وإن اشترط شيئاً معلوماً على تعليم القرآن جاز. (تهذيب المدونة ١ / ٨٦)



(جاری ہے۔۔۔)

اذان اور اذان و نماز دونوں پر اجارہ جائز ہے۔۔۔اور معلم جو اجرت لیتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ہے خواہ وہ مشروط ہو یا مشروط نہ ہو۔اور قرآن مجید کی تعلیم پر بطور عوض کوئی متعین چیز طے کرنا جائز ہے۔

دورِ دوم یعنی حضرات متاخرین اور خاص طور پر حضرات حنفیہؒ نے اپنے خداداد ملکہءِ اجتہاد کی بنیاد پر ''حالات زمانہ'' کو دیکھ کر اہلِ مدینہ کے مذہب پر فتوی دیا اور اب اس دور میں آکر حضرات حنفیہؒ کا بھی وہی مذہب بن گیا جو کہ مالکیہؒ اور شافعیہؒ کا شروع سے تھا، وجہ اس کی یہ ہے کہ حالاتِ زمانہ کے بدلنے کی وجہ سے بعض اوقات احکامِ شرعیہ بدل جاتے ہیں، مثلاً کوئی حکم کسی ''علت'' کے ساتھ معلّل ہو، پھر زمانہ کے گزرنے کے ساتھ وہ علت تبدیل ہو گئی یا ختم ہو گئی تو وہ حکم بھی تبدیل ہو جائے گا، چنانچہ احکامِ شرع میں اس کی بہت ساری مثالیں موجود ہیں، مثلاً:

(۱) مصارفِ زکوۃ میں سے مؤلفۃ القلوب کو حذف کرنا۔

(۲) حضور پاک ﷺ کے عہد مبارک میں عورتوں کا مساجد میں نماز کے لئے حاضر ہونا، اور بعد میں (یعنی حضرت عمرؓ کے دور میں) اس پر پابندی لگانا۔

معلوم ہوا کہ ''علل'' میں اختلاف و فرق سے احکام شرعیہ تبدیل ہو سکتے ہیں۔

یہی حال متعلقہ مسئلہ کا بھی ہے، یعنی مسئلہ اجرت علی الطاعات کا بھی یہی حال ہے کہ زمانہ متقدمین میں طاعات پر اجرت لینے کی ضرورت نہیں تھی، پھر مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ اس کی ضرورت محسوس کی گئی، اور ''ضرورت'' ثابت ہونے پر متاخرین نے پہلا موقف چھوڑ کر مذہبِ اہلِ مدینہ کے موقف کو اختیار کیا اور ''جواز'' کا فتوی دیا۔اب یہ بات کہ زمانہ متقدمین میں ضرورت نہیں تھی اور بعد میں موجود ہو گئی کیوں؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ زمانہ متقدمین میں دو وجوہات کی بناء پر طاعات پر اجرت لینے کی ضرورت نہیں تھی:

(۱) ان حضرات پر توکل علی اللہ، دین اور امورِ دین میں رغبت اور فکرِ آخرت کا غلبہ تھا، اس وجہ سے وہ حضرات حسبۃً یعنی خالص نیتِ ثواب کے ساتھ یکسو ہو کر یہ اعمال انجام دیتے تھے۔

(۲) اکثر اوقات معلمین وغیرہ کے لئے بیت المال سے وظائف مقرر تھے، اور وہ وظائف ان کو اس وجہ سے ملتے تھے تاکہ یہ حضرات یکسو ہو کر خدمتِ دین انجام دیا کریں، اور سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی بیت المال سے وظائف مقرر کئے تھے، جیسا کہ ان کے فیصلوں سے یہ ثابت ہے، چنانچہ نصب الرایہ میں ہے:



(جاری ہے۔۔۔)

وقد روي عن عمر بن الخطاب أنه كان يرزق المعلمين،۔۔۔أن عمر بن الخطاب كتب إلى بعض عماله: أن أعط الناس على تعليم القرآن، انتهى كلامه (نصب الراية لأحاديث الهداية ٤ / ١٣٧)

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ وہ معلمین کو خرچہ دیتے تھے، ۔۔۔ حضرت عمرؓ نے اپنے بعض گورنروں کو لکھا کہ لوگوں کو تعلیم قرآن پر کچھ دے دیا کریں۔

لیکن زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ اور دینی امور میں انحطاط کی وجہ سے لوگوں میں امورِ دین کے سلسلہ میں سستی پیدا ہوتی گئی، اخلاص وتوکل اس درجہ میں ان میں باقی نہیں رہا، دنیاوی اشغال نے ان کو گھیر لیا، یہ فرق تو رعایا اور قوم میں آیا۔

حکمرانوں نے دین کے ساتھ قلتِ رغبت کیوجہ سے علماء وحفاظ کے وظائف ختم کر دئے اب اس مرحلہ میں آکر شعارِ دین کے ضائع ہونے کا خطرہ پیدا ہونے لگا، اور اس خطرہ سے نمٹنے اور تدارک کی مناسب تدبیر تلاش کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی، چنانچہ اس وقت کے اہلِ نظر اور اہلِ فقہ واجتہاد حضرات نے شعارِ دین کو باقی رکھنے کے پیشِ نظر ''مواقعِ ضرورت'' میں طاعات پر اخذِ اجرت کے جواز کا فتوی دیا، اور تعلیمِ قرآن، تعلیمِ فقہ، امامت، اذان، ان کاموں میں مذکورہ بالا ساری شرطیں موجود ہیں بخلاف نماز، روزہ، ذکر واذکار، قراۃ قرآن کریم وغیرہ ان اعمال میں مذکورہ بالا شرطیں موجود نہیں، لہٰذا ان کاموں پر اجرت لینا کسی کے نزدیک جائز نہیں، نہ اب جائز ہے اور نہ پہلے، متقدمین ومتاخرین کا اس پر اتفاق ہے۔

چنانچہ مجموعہ رسائل ابن عابدین میں ہے:

جميع ماقدمناه هومذهب ائمتناالثلاثة ومن تبعهم من مشايخ المذهب المتقدمين وحاصله منع الاستئجاروالجعالة علي شئ من الطاعات سواء كانت واجبة اولاكالاذان ونحوه ۔۔۔ والفتوي اليوم علي جوازه لتعليم القرآن انتهي وفي الهداية ولاالاستئجار علي الاذان والحج وكذاالامامة وتعليم القرآن والفقه وبعض مشايخنارحمهم الله تعالي استحسنواالاستئجارعلي تعليم القرآن اليوم لظهورالتواني في الامور الدينية ففي الامتناع تضييع حفظ القرآن وعليه الفتوي۔۔۔كره المتقدمون الاستئجارعلي تعليم القرآن واخذالاجرة عليه لوجودالعطية من بيت المال مع الرغبة في امورالدين وفي زماننااانقطعت



(جاری ہے۔۔۔)

وفيه:ان العلة في جوازالاستئجارعلي تعليم القرآن والفقه والاذان والامامة هي الضرورة واحتياج الناس اليه وان هذامقصورعلي هذه الاشياء دون ماعداهامما لاضرورة الي الاستئجارعليه

وفيه :وقال الامام الزيلعي عندقول الكنزوالفتوي اليوم علي جوازالاستئجار لتعليم القرآن وهومذهب المتاخرين من مشايخ بلخ استحسنوا ذلك وقالوا بني اصحابناالمتقدمون الجواب علي ماشاهدوامن قلة الحفظة ورغبة الناس فيهم وكان لهم عطيات في بيت المال وافتقادمن المتعلمين في مجازاة الاحسان بالاحسان من غيرشرط مروءة يعينونهم علي معاشهم ومعادهم وكانوايفتون بوجوب التعليم خوفامن ذهاب القرآن وتحريضاعلي التعليم حتي ينهضوالاقامة الواجب فتكثرحفاظ القرآن واماالیوم فذهب ذلك كله واشتغل الحفاظ بمعاشهم وقل مايعلم حسبة ولايتفرغون له ايضافان حاجتهم تمنعهم من ذلك فلو لم يفتح لهم باب التعليم بالاجرلذهب القرآن فافتوابجوازه لذلك راوه حسناوقالواالاحكام قدتختلف باختلاف الزمان مجموعة رسائل ابن عابدين (۱:۱۵۷)

ہم نے جو تفصیل بیان کی ہے وہ ائمہ ثلاثہ اور متقدمین مشائخ میں سے ان کے متبعین کا مذہب ہے،اوراس کا حاصل کسی بھی عبادت پر اجارہ کی ممانعت ہے،خواہ وہ عبادت واجب ہو یا نہیں،جیسا کہ اذان اوراس جیسی عبادات۔ ۔۔۔۔اور موجودہ زمانے میں فتویٰ قرآن مجید کی تعلیم کے لئے اجارہ کے جواز پر ہے۔

اور ہدایہ میں ہے کہ اذان اور حج اوراسی طرح امامت،اور قرآن مجید کی تعلیم پر اجارہ صحیح نہیں ہے اور ہمارے بعض مشائخ رحمہم اللہ نے موجودہ زمانے میں امورِ دینیہ میں کمزوری کی وجہ سے قرآن مجید کی تعلیم پر اجارہ کو مستحسن قرار دیاہے سواجارہ کو منع کرنے میں حفظِ قرآن مجید کا ضیاع ہے اوراسی پر فتویٰ ہے۔

متقدمین حضرات نے قرآن مجید کی تعلیم پر اجارہ اوراس پر اجرت لینے کواس وجہ سے مکروہ قرار دیا کہ اس زمانے میں بیت المال کی طرف سے عطایا اور امورِ دینیہ میں رغبت پائی جاتی تھی،اور یہ چیزیں ہمارے زمانے میں منقطع ہو چکی ہیں۔

قرآن مجید اور فقہ کی تعلیم اوراذان وامامت پر اجارے کے جواز کی علت ضرورت اور لوگوں کا اس کی طرف محتاج ہونا ہے اور یہ حکم دوسرے کاموں کے علاوہ صرف انہی



(جاری ہے ۔۔۔)

کاموں تک محدود ہے ، کیونکہ دوسرے کاموں میں اجارے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور امام زیلعیؒ نے صاحب کنز کے اس قول کہ فتوی موجودہ زمانے میں قرآن مجید کی تعلیم کے اجارے کے جواز پر ہے یہ فرمایا ہے کہ یہ مذہب مشائخ بلخ میں سے متاخرین کا ہے انہوں نے اس کو مستحسن قرار دیا ہے اور فرمایا کہ ہمارے متقدمین حضرات نے جواب کی بنیاد اس بات پر رکھی تھی کہ انہوں نے حفاظ کی قلت اور اس میں لوگوں کی رغبت کا مشاہدہ کیا اور ان کے لئے بیت المال میں عطیات تھے ، اور متعلمین بغیر کسی شرط کے مروۃ احسان کے بدلے کے طور پر ان کی خبر گیری کرتے تھے جو کہ ان کی دنیاوی معاش اور آخرت کے معاملے میں ان کی مدد کرنا تھا اور وہ قرآن مجید کے ضائع ہو جانے کے خوف اور تعلیم پر ابھارنے کے لئے تعلیم کے واجب ہونے پر فتوی دیا کرتے تھے یہاں تک کہ لوگوں نے اہم کام کے قیام کے لئے مستعدی کی اور قرآن مجید کے حفاظ زیادہ ہو گئے ، بہر حال موجودہ زمانے میں یہ ساری چیزیں رخصت ہو گئی ہیں اور حفاظ اپنے معاش میں مشغول ہو گئے ہیں اور بہت کم لوگوں میں خالص ثواب کی نیت معلوم ہوتی ہے اور وہ معاش کے لئے فرصت بھی نہیں پاتے ہیں کیونکہ ان کی ضروریات ان کو تعلیم میں مشغول ہونے سے روکتی ہیں سو اگر ان کے لئے اجرت پر تعلیم کے جواز کا دروازہ نہ کھولا گیا تو قرآن مجید کا ضیاع ہو سکتا ہے اسی وجہ سے انہوں نے اس کے جواز کا فتوی دیا ہے اور اس کو اچھا قرار دیا ہے اور فرمایا کہ کبھی احکام زمانے کے اختلاف سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔

یہاں تک اصل مسئلہ سے متعلق ضروری تفصیل مذکور ہوئی ، اب ذیل میں سوال میں ذکر کردہ دلائل کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

سوال کے ساتھ جو آیاتِ مبارکہ بطور استدلال ذکر کی گئی ہیں ان کے مفہوم و مطلب کے بارے میں حضراتِ مفسرین نے جو کچھ لکھا ہے وہ پیش خدمت ہے ، اس کے مطالعہ سے اندازہ ہو گا کہ سوال میں ان آیات کا جو مطلب لیا ہے وہ درست نہیں ہے۔



(جاری ہے ---)

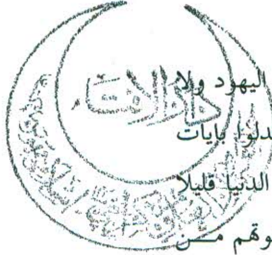
چنانچہ سوال میں ذکر کردہ سورۃ البقرہ کی آیت :۴۱ کی تفسیر میں امام ابو عبداللہ قرطبیؒ نے دو جواب ذکر فرمائے ہیں، پہلا جواب یہ ذکر فرمایا ہے کہ اس آیت سے مراد بنو اسرائیل ہیں، کیونکہ وہ کتاب اللہ میں تحریف اور تبدیلی احکام شرعیہ پر رشوت لیتے تھے۔

اور دوسرا جواب یہ ذکر فرمایا ہے کہ ان آیات کی وعید میں وہ شخص داخل ہے جس پر دین کی کوئی خدمت متعین طریقہ پر واجب ہو گئی ہو، لیکن وہ اس پر اجرت لے، چنانچہ تفسیرِ قرطبیؒ میں ہے:

وأما الجواب عن الآية – فالمراد بها بنو إسرائيل۔۔۔جواب ثـــان: وهـــو أن تكون الآية فيمن تعين عليه التعليم فأبى حتى يأخذ عليه أجرا فأمـــا إذا لم يتعين فيجوز له أخذ الأجرة بدليل السنة في ذلك (تفســـير القـــرطبي ١ / ٣٣٦)

اس آیت میں بنی اسرائیل (یعنی ان کا اپنی کتابوں میں تحریف اور محمد ﷺ کی صفات چھپانے کا عمل) مراد ہیں اور دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں ہے جس پر متعین طور پر تعلیم واجب ہو گئی ہو اور وہ اجرت کے بغیر تعلیم دینے پر انکار کردے، سو اگر اس پر تعلیم متعین نہ ہوئی ہو تو اس کے لئے اس بارے میں حدیث (إن أحق ما أخذتم عليه أجرا كتـــاب الله، کہ سب سے زیادہ اجرت لینے کے لائق تو اللہ کی کتاب ہے) کی وجہ سے اجرت لینا جائز ہے۔

اسی آیت کی تفسیر میں علامہ قاضی محمد ثناء اللہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اشرف اور اس کے یہودی علماء ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی، اللہ رب العلمین ان کو یہ فرمارہے ہیں کہ وہ محمد ﷺ کی صفات کو نہ چھپائیں اور اس کے عوض میں دنیا کا ثمن جو کہ آخرت کے مقابلہ میں تھوڑا ہی ہے وہ نہ لیں، چنانچہ تفسیر مظہری میں ہے:



قال البغوي نزلت الاية في كعب بن اشرف وأصحابه من علماء اليهود ولا تشتروا اى لا تستبدلوا بآياتي اى بالايمان بايات القران اولا تستبدلوا بايات التورية ببيان نعت محمد صلى الله عليه وسلم ثمنا اى عرضا من الدنيا قليلا فان اعراض الدنيا وان جلت فهى قليلة رذيلة بالاضافة الى ما يفوتهم من حظوظا لاخرة (التفسير المظهري ١ / ٦٢):

امام بغویؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت کعب بن اشرف اور اس کے یہودی علماءِ ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی۔ ولا تشتروا یعنی محمد ﷺ کی صفات کو میری آیات پر ایمان

(جاری ہے۔۔۔)

لانے کے ساتھ یا آیات توریہ کے ذریعہ تبدیل نہ کرو۔ ثمنا یعنی دنیا کے تھوڑے سامان کے عوض میں، کیونکہ دنیا کی چیزیں اگر بہت بڑی ہوں لیکن وہ آخرت میں ان کے حصے کے فوت ہونے کی وجہ سے اس کے مقابلے میں بہت تھوڑی اور رذیل ہیں۔

اور سوال میں ذکر کردہ سورہ آل عمران کی آیت: ۱۹۹ کے بارے میں امام ابو الفداء تحریر فرماتے ہیں کہ یہ آیت ان اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جو کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لائے اور وہ اپنی کتاب میں محمد ﷺ کی بیان کی گئی صفات کو نہیں چھپاتے تھے، چنانچہ تفسیر ابن کثیر میں ہے:

يخبر تعالى عن طائفة من أهل الكتاب أنهم يؤمنون بالله حق الإيمان، وبما أنزل على محمد، مع ما هم يؤمنون به من الكتب المتقدمة، وأنهم خاشعون لله، أي: مطيعون له خاضعون متذللون بين يديه، { لا يشترون بآيات الله ثمنا قليلا } أي: لا يكتمون بأيديهم من البشارات بمحمد صلى الله عليه وسلم، وذكر صفته ونعته ومبعثه وصفة أمته، وهؤلاء هم خيرة أهل الكتاب وصفوتهم، سواء كانوا هودا أو نصارى(تفسير ابن كثير ٢ / ١٩٣)



اللہ تعالی اہلِ کتاب کی ایک جماعت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اللہ پر اور کتبِ متقدمہ پر ایمان لانے کے ساتھ محمد ﷺ پر نازل شدہ کتاب پر بھی اس طرح ایمان لاتے ہیں جیسا کہ ایمان لانے کا حق ہے، اور وہ اللہ کے لئے خشیت اختیار کرتے ہیں یعنی اس کی اطاعت کرتے ہیں، اور اس کے سامنے عاجزی وانکساری کرتے ہیں۔

{ لا يشترون بآيات الله ثمنا قليلا } یعنی محمد ﷺ کے بارے میں خوشخبریاں اور ان کی صفات، بعثت اور ان کی امت کی صفت نہیں چھپاتے ہیں۔ یہ بہترین اور مخلص اہلِ کتاب ہیں چاہے یہودی ہوں یا نصرانی ہوں۔

اور علامہ علاء الدین علی بن محمد اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ بہتر قول یہ ہے کہ یہ آیت ان تمام اہلِ کتاب کے بارے میں نازل ہوئی جو ایمان لائے، چنانچہ تفسیر خازن میں ہے:

وقيل نزلت في جميع مؤمني أهل الكتاب وهذا القول أولى لأنه لما ذكر أحوال الكفار وأحوال أهل الكتاب وأن مصيرهم إلى النار ذكر حال من آمن من أهل الكتاب وأن مصيرهم إلى الجنة تفسير الخازن - (٢ / ٢٥)

اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت اہلِ کتاب میں سے تمام ایمان لانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ قول اولی ہے، اس لئے کہ جب کفار اور اہلِ کتاب کے حالات اور ان

(جاری ہے۔۔۔)

کا جہنم کی طرف جانا بیان کیا گیا تو اہلِ کتاب میں سے مؤمنین کا حال اور ان کا جنت کی طرف جانا بیان کیا گیا۔

اور سوال میں ذکر کردہ سورۃ المائدہ کی آیت۔۴۴ کے بارے میں امام ابو حیانؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بنو اسرائیل کو یہ بات کہی جا رہی ہے کہ وہ ثمن قلیل یعنی رشوت، عہدہ اور لوگوں کی رضا طلب کی وجہ سے اللہ کی آیات واحکامات کو تبدیل نہ کریں، چنانچہ تفسیر البحر المحیط میں ہے:

{ فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا بآياتي ثمناً قليلاً } هذا نهي ـــ ولا تستعطوا بآيات الله ثمناً قليلاً وهو الرشوة وابتغاء الجاه ورضا النـــاس، كما حرف أحبار اليهود كتاب الله وغيروا أحكامه رغبة في الدنيا وطلبـــاً للرياسة فهلكوا. وهذا نهي عن جميع المكاسب الخبيثة بالعلم والتحيل للدنيا بالدين. والظاهر أنّ هذا الخطاب لليهود على سبيل الحكايـــة، والقـــول لعلماء بني إسرائيل. (تفسير البحر المحيط ٤ / ٤٣٥)

{ فلا تخشوا الناس واخشون ولا تشتروا بآياتي ثمناً قلـــيلاً } یہ اس بات سے بھی روکنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے عوض قلیل ثمن نہ لو اور ثمن قلیل رشوت اور جاہ اور لوگوں کی رضا طلب کرنا ہے جیسا کہ یہود کے بڑے علماء نے اللہ کی کتاب میں تحریف کی اور اللہ کے احکام کو دنیا میں رغبت اور حکومت طلب کرنے کے لئے تبدیل کیا سو وہ اس وجہ سے ہلاک ہو گئے۔

اور امام ابن جریرؒ اس آیت کی تفسیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں اللہ رب العلمین علماءِ یہود کو یہ بات فرما رہے ہیں کہ وہ اللہ کے احکامات کو نافذ کرنے میں لوگوں سے نہ ڈریں، بلکہ اللہ رب العلمین جو کہ نفع اور ضرر پر قادر ہیں ان سے ڈریں اور اس کے احکامات کو نافذ کریں، چنانچہ تفسیر طبری میں ہے:

القول في تأويل قوله عز ذكره : { فَلا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلا }قال أبو جعفر: يقول تعـــالى ذكـــره لعلمـــاء اليهـــود وأحبارهم: لا تخشوا الناس في تنفيذ حكمي الذي حكمت به على عبادي، وإمضائه عليهم على ما أمرت، فإنهم لا يقدرون لكم على ضر ولا نفع إلا بإذني، ـــ ولكن اخشوني دون كل أحدٍ من خلقي، فإن النفـــع والضـــر بيدي، وخافوا عقابي في كتمانكم ما استُحفِظتم مـــن كتـــابي. (تفســـير الطبري ١٠ / ٣٤٤)



(جاری ہے۔۔۔)

امام ابو جعفر کہتے ہیں کہ آیت کریمہ ''فَلا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلا'' کے ذریعہ اللہ تعالیٰ علماءِ یہود کو فرماتے ہیں کہ میرے بندوں پر میرے حکم کو نافذ کرنے اور ان پر اس بات کو جاری کرنے میں جس کا میں نے حکم دیا ہے لوگوں سے نہ ڈرو، یہ لوگ تمہارے لئے کسی نفع اور نقصان پر سوائے میری اجازت کے قادر نہیں ہیں۔۔۔ میری تمام مخلوق کے سوا مجھ سے ڈرو، سو نفع اور ضرر میرے ہی ہاتھ میں ہے اور میری کتاب میں جو بات تم نے محفوظ کی ہے اس کو چھپانے میں میرے عذاب سے ڈرو۔

خلاصہ یہ کہ ان آیات کا تعلق اجرت علی الطاعات کے مسئلہ سے ہے ہی نہیں۔

آیاتِ مبارکہ کے بعد جن احادیث طیبہ کا مفہوم ذکر کیا گیا ہے ان احادیث کا جواب بھی اصل مسئلہ کے ضمن میں آچکا ہے کہ ان کے مقابلہ میں احادیثِ جواز بھی موجود ہیں، لہٰذا احادیثِ منع یا منسوخ ہیں، یا سنداً ان میں کلام ہے یا مؤول ہیں، چنانچہ اعلاء السنن میں ہے:

والمجوّزون قدحوافي الروايات من حيث السندومن حيث انهامنسوخة (اعلاء السنن ۱۶:۱۷۲)

اور جائز قرار دینے والوں نے (ممانعت کی) احادیث کو سند کے اعتبار سے اور اس اعتبار سے پرکھا ہے کہ یہ منسوخ ہیں۔

چنانچہ سوالنامہ میں پہلے نمبر پر ''مسند احمد'' کے حوالے سے اور تیسرے نمبر پر جن احادیث مبارکہ کا مفہوم ذکر کیا گیا ہے (ان کے عربی الفاظ مبارک ذیل میں ذکر کئے گئے ہیں) وہ احادیث سند کے اعتبار سے مضبوط ہیں، چنانچہ پہلی حدیث کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند قوی ہے، چنانچہ فتح الباری میں ہے:

وأخرج أحمد وأبو يعلى من حديث عبد الرحمن بن شبل رفعه أقرءوا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به الحديث وسنده قوي(فتح الباري - ابن حجر ۹ / ۱۰۱)

احمد اور ابو یعلی نے عبد الرحمن بن شبل سے مرفوعاً حدیث مبارک (''أقرءوا القرآن ولا تغلوا فيه ولا تجفوا عنه ولا تأكلوا به الحديث کہ قرآن پڑھا کرو، اس میں حد سے زیادہ غلو نہ کرو، اس سے جفاء نہ کرو، اسے کھانے کا ذریعہ نہ بناؤ اور اس سے اپنے مال و دولت کی کثرت حاصل نہ کرو'' کو روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے۔



(جاری ہے۔۔۔)

اور تیسری حدیث کے بارے میں امام حاکم شہیدؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے، چنانچہ مستدرک حاکم میں ہے:

عن أبي هريرة، قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: «من تعلم علما مما يبتغى به وجه الله لا يتعلمه إلا ليصيب به غرضا من الدنيا لم يجد عرف الجنة يوم القيامة .هذا حديث صحيح سنده، ثقات رواته على شرط الشيخين و لم يخرجاه المستدرك على الصحيحين للحاكم (١ / ١٦٠)

حضرت ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے اس علم کو جس سے اللہ تعالی کی رضا طلب کی جاتی ہے اس غرض سے سیکھا کہ وہ اس کے ذریعہ دنیا کی متاع حاصل کرے تو قیامت کے دن اسے جنت کی خوشبو بھی میسر نہیں ہو گی۔

اس حدیث کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی شیخین کی شرط کے مطابق ہیں لیکن انہوں نے اس کو بیان نہیں فرمایا۔

تاہم اس کے باوجود ان میں تاویل کی گنجائش ہے، چنانچہ پہلی حدیث کی تشریح میں علامہ ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خالص اللہ کی رضا کے لئے پڑھائے اور پھر اجرت لے تو ایسا کرنا جائز ہے چنانچہ "التمهيد لما في الموطأ من المعاني والاسانيد" میں ہے:

واحتجوا أيضا بقوله صلى الله عليه وسلم " اقرءوا القرآن ولا تأكلوا به ولا تستكثروا" وهذا يحتمل التأويل ــلأنه جائز أن يكون علمه لله ثم أخذ عليه أجرا ونحو هذا.(التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد - ٢١ / ١١٤)

اور مانعین نے رسول اللہ کی حدیث مبارک "اقرءوا القرآن ولا تأكلوا به ولا تستكثروا" سے بھی اجرت علی الطاعات کے عدم جواز پر استدلال کیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ تاویل کا احتمال رکھتی ہے۔۔۔اس لئے اگر کسی کا علم خالص اللہ کی رضا کے لئے ہو پھر وہ اس پر اجرت لے تو ایسا کرنا جائز ہے۔

اور تیسری حدیث کی تشریح میں ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی خالص اللہ کی رضا کے لئے تعلیم حاصل کرے تو اس کو دنیا نقصان نہیں پہنچاتی، بلکہ دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے، چنانچہ مرقاۃ المفاتیح میں ہے:

ومفهوم الحديث أن من أخلص قصده فتعلم لله لا يضره حصول الدنيا له من غير قصدها بتعلمه، بل من شأن الإخلاص بالعلم أن تأتي الدنيا لصاحبه راغمة، كما ورد: " «من كان همه الآخرة جمع الله شمله وجعل

(جاری ہے۔۔۔)

غناه في قلبه وتأتيه الدنيا وهي راغمة(مرقاة المفاتيح شرح مشكاة المصابيح ١ / ٣٠٥)

حدیث مبارک کامفہوم یہ ہے کہ جس نے اپنی نیت کو خالص کیااور اللہ ہی کے لئے علم حاصل کیاتواس کواپنے علم کی وجہ سے بغیر قصد کے دنیاکا حصول نقصان نہیں پہنچائے گا،بلکہ اخلاص کی یہ شان ہے کہ مخلص طالبعلم کے پاس دنیابے وقعت ہوکر آئے،جیسا کہ حدیث مبارک میں ہے کہ جس شخص کو محض آخرت کی فکر ہوتواللہ تعالی اس کی پریشانیوں کو جمع کرکے اطمینان خاطر بخشتاہے اوراس کے دل کو غنی کردیتاہے نیزاس کے پاس دنیاآتی ہے لیکن اس کی نظر میں دنیاکی کوئی وقعت نہیں ہوتی۔

اور''بیہقی''کے حوالے سے جودوسری حدیث ذکر کی گئی ہے(جس کے عربی الفاظ مبارک ذیل میں ذکر کئے گئے ہیں)اس کے بارے میں فیض القدیر میں علامہ ابن ابی حاتمؒ کے حوالے سے علامہ مناویؒ نے اور کتاب المجروحین میں علامہ ابن حبانؒ نے یہ بات ذکر فرمائی ہے کہ اس حدیث کی رسول اللہ ﷺ سے کوئی اصل نہیں ہے،چنانچہ فیض القدیر میں ہے:

قال رسول اللهﷺ من قرأ القرآن يتأكل به الناس جاء يوم القيامة ووجهه عظم ليس عليه لحم۔۔قال ابن أبي حاتم: لا أصل لهذا من حديث رسول الله صلى الله عليه وسلم (فيض القدير ٦ / ١٩٦)

رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ جوشخص قرآن کریم اس لئے پڑھے کہ اس کے ذریعہ لوگوں سے کمائے،تووہ قیامت کے دن اس حالت میں اٹھ کر آئے گاکہ اس کاچہرہ صاف ہڈی ہوگااس پر گوشت نہیں ہوگا۔۔۔۔امام ابن ابی حاتم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے اس حدیث کی کوئی اصل نہیں ہے۔

اور کتاب المجروحین میں ہے:

وهذان حديثان لا أصل لهما من رسول الله صلى الله عليه وسلم (المجروحين لابن حبان ١ / ١٤٩)

رسول اللہ ﷺ سے ان دونوں حدیثوں کی کوئی اصل نہیں ہے۔

لہٰذااس حدیث سے استدلال کرنادرست نہیں ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ممانعت کی احادیث یاتوضعیف ہیں یاان میں تاویل کی گنجائش ہے یامنسوخ ہیں۔

(جاری ہے۔۔۔)



سوال میں آیات مبارکہ اوراحادیث طیبہ کے ذکر کرنے کے بعد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا جو فتوی نقل کیا گیاہے کہ وہ اجرت لینے سے منع کرتے تھے، یہ فتوی بالکل درست ہے اور فقہ کی تمام کتابوں میں موجود ہے، لیکن بعد میں متاخرینؒ نے ضرورت کی بنیاد پر اس کے خلاف فتوی جاری کیاہے جس کی تفصیل گذشتہ صفحات میں ذکر کی گئی ہے۔(ماخذہ التبویب بتصرف،۳۶۴:۸۲)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوئی کہ امامت پر اجرت لینا جائز ہے اور ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز ہے، لہٰذا آپ کے دوست کا آپ کو ایسے امام کے پیچھے نماز پڑھنے سے روکنا جائز نہیں ہے۔

کسی کو مساجد سے روکنے کے بارے میں قرآن مجید میں سخت وعید آئی ہے اور اس میں مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی صورتیں ہیں وہ سب داخل ہیں، چنانچہ اللہ رب العٰلمین فرماتے ہیں کہ "اور اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ کی مسجدوں پر اس بات کی بندش لگادے کہ ان میں اللہ کا نام لیا جائے، اور ان کو ویران کرنے کی کوشش کرے۔ ایسے لوگوں کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ان (مسجدوں) میں داخل ہوں مگر ڈرتے ہوئے۔ ایسے لوگوں کے لئے دنیا میں رسوائی ہے، اور انہی کو آخرت میں زبردست عذاب ہوگا"(معارف القرآن،۱:۲۹۹)

لہٰذا آپ کے دوست پر لازم ہے کہ وہ اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کرے اور لوگوں کو اس قسم کے مسائل میں الجھن میں ڈالنے سے پرہیز کرے۔

سورة البقرة : ١١٤

{وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَى فِي خَرَابِهَا أُولَئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ}

أحكام القرآن لابن العربي – (١ / ٥٩)

{ ومن أظلم ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه وسعى في خرابها أولئك ما كان لهم أن يدخلوها إلا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم } فيها خمس مسائل : المسألة الأولى : فيمن نزلت ؟ فيه أربعة أقوال : الأول : أنه بخت نصر . الثاني : أنهم مانعو بيت المقدس من النصارى اتخذوه كظامة . والثالث : أنه المسجد الحرام عام الحديبية . الرابع : أنه كل مسجد ; وهو الصحيح ; لأن اللفظ عام ورد بصيغة الجمع ; فتخصيصه ببعض المساجد أو بعض الأزمنة محال



(جاری ہے۔۔۔)

تفسير الجلالين – (١ / ٢٢)

{ ومن أظلم } اي لا أحد أظلم { ممن منع مساجد الله أن يذكر فيها اسمه } بالصلاة والتسبيح { وسعى في خرابها } بالهدم أو التعطيل---

البحر المحيط (١ / ٥٧٢)

وظاهر الآية العموم في كل مانع وفي كل مسجد ، والعموم وإن كان سبب نزوله خاصا ، فالعبرة به لا بخصوص السبب---وقال غيره : جمعت لأنها قبلة المساجد كلها ، يعني الكعبة للمسلمين ، وبيت المقدس لغيره.

وَسَعى فِي خَرابِها : إما حقيقة ، كتخريب بيت المقدس،أو مجازا بانقطاع الذكر فيها ومنع قاصديها منها ، إذ ذلك يؤول بها إلى الخراب. فجعل المنع خرابا،كما جعل التعاهد بالذكر والصلاة عمارة--------------- والله اعلم بالصواب

رضوان جیلانی

محمد رضوان جیلانی عفا اللہ عنہ

دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی

۲۱-۷-۱۴۳۳ھ

۱۲-۶-۲۰۱۲ء

الجواب صحیح والمجیب نجیح

محمد عبد المنان عفی عنہ

۲۱/۷/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

اصغر علی ربانی

۲۱ رجب ۱۴۳۳ھ





الجواب صحیح

محمد

۲۱/۷/۱۴۳۳ھ

الجواب صحیح

شاہ محمد تفضل علی عفی عنہ

۲۶/۷/۱۴۳۳ھ